سلاطین مغلیہ کا علمی و طبی ذوق

جناب حکیم الطاف احمد اعظمی (علیگ) ہمدرد نگر - دہلی

ماقبل عہد مغلیہ کے مسلم بادشاہوں کی طرح عہد مغلیہ کے سلاطین نہ صرف صاحب علم تھے بلکہ اصحاب علم و فن کے قدرداں بھی تھے۔ مغل سلاطین جہاں فارسی شعر و ادب کے شیدائی تھے وہاں دیگر شعبہ ہائے علم سے بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ جہاں تک فن طب کا تعلق ہے اس سے اکثر مغل سلاطین کو نظری واقفیت حاصل تھی اور بعض اس میں تھوڑی بہت عملی مہارت بھی رکھتے تھے۔ درج ذیل سطور میں مغل سلاطین کے اس علمی و طبی ذوق کا حال اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

سلطنت مغلیہ کا بانی ظہیر الدین محمد بابر جہاں میدان رزم کا ایک جانباز سپاہی تھا وہاں بزم علم و ادب کا ایک بلند پایہ انشاء پرداز اور قادر الکلام شاعر بھی تھا۔ مؤلف اکبر نامہ لکھتا ہے:

"آنحضرت را در نظم و نثر پایۂ عالی بود خصوصاً در نظم ترکی و دیوان ترکی آنحضرت در نہایت فصاحت و عذوبت واقع شدہ و مضامین تازہ در آں مندرج است"[1]

بابر کے غیر معمولی علم و فضل اور اس کی دقیقہ رسی و نکتہ سنجی کا اندازہ اس کی مایۂ ناز تصنیف "تزک بابری" سے ہوتا ہے جس کا شمار دنیا کی چند گراں پایہ سوانح عمریوں میں ہوتا ہے۔ بڑے بڑے انشاء پردازوں نے اس کتاب کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ابوالفضل

[1] شیخ ابوالفضل، اکبر نامہ، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ ۱۸۷۳ء ج ۱ ص ۱

محمد قاسم کا ایک بلند پایہ انشا پرداز تھا، ان الفاظ میں ستائش کرتا ہے:

"واقعات خود را از ابتدائے سلطنت خود تا حال ارتحال از قرار واقع بعبارت فصیح و بلیغ نوشتہ اند۔" [1]

دائرہ معارف اسلامیہ (اُردو) کا مضمون نگار لکھتا ہے:

"بطور ادبی کتاب کے بابرنامہ کی سادہ اور پاکیزہ زبان، اس کا قدرتی اسلوب بیان، مناظر فطرت کے ذکر میں اس کی رنگین اور دلآویز عبارتیں بعض ایسے وجوہ ہیں جن کی بنا پر ہم بابر نامہ کو نہ صرف چغتائی نثر بلکہ عام ترکی نثر کا ایک نفیس ترین نمونہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں۔" [2]

بابر فارسی میں بھی شاعری کرتا تھا، ابوالفضل لکھتا ہے:

"ہمچنیں بزبان فارسی نیز اشعار دل پذیر دارند۔" [3]

بابر کا یہ فارسی شعر بہت مشہور ہے۔

نوروز و نو بہار و دلبر خوش است
بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ بابر علم طب سے بھی واقفیت رکھتا تھا۔ ابراہیم لودی کی ماں نے ۱۹۲۶ء میں ہندی باورچیوں کی مدد سے بابر کو کھانے میں زہر دے دیا تھا۔ بابر نے اس زہر کے اثرات کو دور کرنے کے لیے گل مختوم اور تریاق فاروق کو دودھ کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جس سے تے ہوئی اور صفرا آمیز فاسد مادہ باہر نکل گیا۔ معاملہ سنگین تھا

---

[1] شیخ ابوالفضل، اکبرنامہ، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ ۱۸۷۳ء ج ۱- ص ۱۱۸-

[2] دائرۂ معارف اسلامیہ (اردو) لاہور ۱۹۶۹ء ج ۳ ص ۱۵۸

[3] اکبرنامہ ج ۱ ص ۱۱۸

لیکن علاج بالکل سادہ کیا گیا۔ بابر نے دوسری بیماریوں میں بھی اسی قسم کا سادہ اور آسان علاج اختیار کیا مثلاً Blisters کے زخم کا علاج سرخ مرچوں (Red chillies) کے مجوزے سے کیا۔[1]

بابر کے بعد ہمایوں کا دور آتا ہے۔ ہمایوں کے اندر بابر کے جملہ صوری و معنوی محاسن موجود تھے۔ بابر کی طرح وہ بھی علم و ادب اور شعر و سخن کا ادا شناس تھا۔ اگرچہ اس کی زندگی کا ایک بڑا حصہ جنگ و جدال میں گزرا لیکن اس کے باوجود اس کا فطری مذاق سخن اور علمی ذوق کسی حال میں پست و پژمردہ نہ ہوا۔[2] وہ جملہ علوم و فنون بالخصوص ہیئت و ریاضی پر نظر غائر رکھتا تھا، ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:

"در علوم نجوم و ہیئات و سائر علوم غریبہ بے نظیر بود۔۔۔۔ و خود شعر نکو گفتی"[3]

مؤلف طبقات اکبری فرماتے ہیں:

"در علم نجوم و ریاضی بے بدل بود"[4]

شیخ ابوالفضل لکھتا ہے:

"در اقسام علوم ریاضی آں حضرت را پایۂ بلند بود"[5]

ہمایوں، ہیئت و ریاضی کے علاوہ علم طب سے بھی دلچسپی رکھتا تھا، یوسف بن محمد بن یوسف الہروی جیسے فاضل طبیب کو اس نے اپنا سکریٹری مقرر کیا تھا[6] یہ انتخاب خود ظاہر کرتا ہے

---

[1] تزک بابری ص۴۴۲۔ [2] ہمایوں صاحب دیوان تھا، ابوالفضل نے اکبر نامہ میں اس کی بعض رباعیاں لکھی ہیں، دیکھیں اکبر نامہ ج ۱ ص۳۶۵۔ [3] ملا عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، کلکتہ ۱۸۶۸ء، ج ۱ ص۴۶۶۔ [4] خواجہ نظام الدین احمد، طبقات اکبری کلکتہ ۱۹۳۱ء ج ۲ ص۱۸۶ [5] اکبر نامہ، ج ۱ ص۳۶۸، مزید دیکھیں فرشتہ ج ۱ ص۲۴۳ منشی نولکشور ۱۸۶۴ء

[6] ڈاکٹر سائرل الگوڈ، اے میڈیکل ہسٹری آف پرشیا، کیمبرج ۱۹۵۱ء ص۳۷۶

کہ وہ طب یونانی سے گہری دلچسپی رکھتا تھا۔

ہمایوں کے بعد اکبر کا دور آتا ہے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ اکبر ناخواندہ تھا، یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ ہمایوں جنگی مصروفیات کے باوجود اس کی تعلیم کی طرف سے کبھی غافل نہ رہا شروع سے قابل اساتذہ اس کی تعلیم و تربیت پر مامور تھے، مولانا میر عبداللطیف قزوینی اکبر کے استادوں میں تھے اور اسے دیوان حافظ پڑھاتے تھے۔[۱]

اکبر کو شعر و سخن سے گہری دلچسپی تھی، اس کی سخن فہمی اور نکتہ رسی کے متعلق جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے:

"و بدائق نظم و نثر خیال می رسید ند کہ مافوقے بر آں متصور نبود"۔[۲]

اکبر کو تاریخ اور شعر و سخن کے ساتھ علم طب سے بھی فطری لگاؤ تھا۔ اس سلسلے میں دو واقعات قابل ذکر ہیں۔ ایک واقعہ شیخ عبدالرحیم سے متعلق ہے جس نے حالت نشہ میں اپنے جسم میں چھرا گھونپ لیا تھا۔ یہ واقعہ سنہ ۳ جلوس اکبری کا ہے۔ زخم مہلک تھا تمام اطباء کا یہ خیال تھا کہ زخم اچھا نہ ہوگا۔ اکبر نے خود زخم میں ٹانکے لگائے اور اس کا علاج کیا یہاں تک کہ وہ تندرست ہو گیا۔[۳] دوسرا واقعہ شیخ جمال سے متعلق ہے جو اکبر کی محبوب بیوی گوہر النساء کا بھائی تھا۔ کسی نے اسے پانی میں زہر ملا کر پلا دیا تھا، اکبر نے اس زہر کا علاج کیا اور وہ صحت یاب ہو گیا۔[۴]

یہ واقعات بتاتے ہیں کہ اکبر کو نہ صرف علم طب سے گہری دلچسپی تھی بلکہ وہ اس میں

۱؎ منتخب التواریخ ج ۳ ص ۹۵
۲؎ سلطان جہانگیر، توزک جہانگیری، غازی پور ۱۸۶۳ء (بہ تصحیح سید احمد خاں) ص ۱۳
۳؎ اکبر نامہ ج ۳ ص ۲۰۸
۴؎ صمصام الدولہ شہنواز خاں، مآثر الامراء ج ۲ ص ۵۶۶۔
بحوالہ اطبائے عہد مغلیہ ص ۱۵۔

تھوڑی بہت عملی مہارت بھی رکھتا تھا۔

اکبر کے بعد جہانگیر کا دور آتا ہے۔ جہانگیر فارسی زبان کا ایک اعلیٰ انشاء پرداز اور بلند پایہ شاعر تھا۔ تزک جہانگیری اس کی زبان دانی، قادر الکلامی، سادہ انداز بیان اور حقیقت نگاری کا ایک حسین مرقع ہے، مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"سلسلۂ تیموریہ میں یوں ہر فرماں روا سخن فہم واداشناس گزرا ہے لیکن جہانگیر اس فن میں اجتہاد رکھتا تھا .... چونکہ وہ فیضی کا شاگرد تھا اس لیے شعروشاعری کا نکتہ داں اس سے بڑھ کر کون ہو سکتا تھا۔" [1]

مغل سلاطین میں جہانگیر کو سب سے زیادہ طب یونانی سے واقفیت تھی تزک جہانگیری میں اس کے شواہد کثرت سے موجود ہیں، میں یہاں چند شواہد کا ذکر کرتا ہوں۔

مشہور ہے کہ مومیائی کے استعمال سے زخم فوراً اچھا ہو جاتا ہے۔ جہانگیر نے اس کا تجربہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ خیال غلط ہے۔ اس تجربہ اور نتیجۂ تجربہ کو اسی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

"در باب اثر مومیائی از حکیماں سخناں شنیدہ ام، چوں تجربہ شد ظاہر نہ گشت نمی دانم کہ اطباء در اثر آں مبالغہ از حد گزرانیدہ اند یا بجہت کہنگی اثر آں کم شدہ باشد، بہر تقدیر بروشے کہ قرار داد اطباء بود، پائے مرغ را شکستہ زیادہ از انچہ گفتند خورانیدہ، پارہ بر محل شکستگی مالیدہ شد و تا سہ روز محافظت نمود، حالانکہ مذکور شد کہ از صباح تا شام کافی است، بعد ازاں دیدہ شد، ہیچ گونہ اثرے ظاہر نہ شد۔" [2]

---

[1] شعر العجم، مولانا شبلی نعمانی، فیض عام علی گڑھ ۱۹۱۰ء، ج ۳ ص۱۶۱

[2] تزک جہانگیری ص۱۱۶

اس اقتباس سے تین باتیں واضح طور پر معلوم ہوئیں، ایک بات یہ کہ جہانگیر اس امر سے واقف تھا کہ مفردات ادویہ کے افعال و خواص ایک مدت معینہ تک قائم رہتے ہیں اس کے بعد زائل ہو جاتے ہیں، دوسری بات یہ کہ وہ تحقیقی ذہن رکھتا تھا، مومیائی کا تجربہ اس کا کھلا ہوا ثبوت ہے، اور تیسری بات یہ کہ اس نے خواص مومیائی کے تجربہ کے لیے کسی انسان کے بجائے مرغ کا انتخاب کیا جو افعال ادویہ کی عملی شناخت کے موجودہ طریقے سے بڑی مشابہت رکھتا ہے۔

جہانگیر تزک میں ایک جگہ آگرہ کی آب و ہوا کے متعلق لکھتا ہے:

"ہوائے آگرہ گرم و خشک است، سخن اطبّاء آنست کہ روح را تحلیل میبرد و ضعف میآرد بہ اکثر طبائع را ناسازگار است مگر بلغمی و سوداوی مزاجان را کہ از ضرر آں ایمن اند مانند حیوانانی مثل فیل و گاومیش ہےلہ"[1]

اقتباس بالا میں جہانگیر نے جس انداز میں مختلف مزاج رکھنے والے افراد پر ہوا کے گرم و خشک سے مرتب ہونے والے اثرات کو بیان کیا ہے اس سے علم طب سے اس کی گہری واقفیت ظاہر ہوتی ہے۔

۱۰۱۰ ہجری میں جہانگیر گجرات میں مقیم تھا کہ شدید طور پر بیمار پڑ گیا۔ اپنی تزک میں اس نے اس بیماری کا حال، گجرات کا جائے وقوع اور اس کی مضرِّ صحت آب و ہوا وغیرہ کا حال جس دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسموم ہوا اور بدپانی کی مضرتوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ بیماری کی یہ مزاح آمیز داستان جہانگیر ہی کے زبان قلم سے سنیں۔

"یک شباں روز تپ کشیدہ ام و ضعف و بے طاقتی بحدیست کہ گویا مدتہا صاحب فراش بودہ ام، اشتہا مطلق نماندہ و بطعام رغبت نمی شود و در حیرتم کہ

---

[1] تزک جہانگیری ص۲۰

باقی ایں شہر را چہ لطافت و خوبی منظور بودہ کہ در چنیں سرزمین بے فیض شہر ساختہ بعد از و دیگیاں نیز عمر عزیز خود را دریں خاکداں برہمہ چیز گذرانیدہ اند، ہوائش مسموم و زمینش کم آب و ریگ بوم و گرد و غبارہ بحدیکہ پیش ازیں شرح دادہ شدہ، آب بغایت زبون و ناگوار و رود خانہ کہ در کنار شہر واقع است غیر از ایام برسات ہمیشہ خشک میباشد، چاہہا اکثر شور و تلخ، تالابہا کہ در سواد شہر واقع است۔ بعابون گاذراں و وغاب شدہ مردم اعیان کہ بقدر رسا مائے دارند در خانہ ہائے خود برکہا ساختہ اند و در ایام برسات از آب باراں پر می سازند و تا سال دیگر ازاں آب میخورند و مضرت آبی کہ ہرگز ہوا بدو نرسد و راہ برآمد بخار نداشتہ باشد، ظاہر است بیرون شہر بجائے سبزہ دریا میں شام صحرا از قوم نساراست و نسیمی کہ از روئے زقوم وزد فیض او معلوم۔ ؎

ای تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

پیش ازیں احمد آباد را گرد آباد گفتہ بودم الحال نمیدانم کہ سموستان نام نہم یا بیمارستان خوانم یا زقوم زار گویم یا جہنم آباد کہ شامل جمیع صفات است اگر موسم برسات مانع نبودے یک روز دریں محنت سرا توقف نمی فرمودم و سلیماں دار برتخت باد نشستہ، بیرون شہر می شتافتم۔ ؎[1]

جہانگیر اس امر سے بھی واقف تھا کہ ہر شہر کی آب و ہوا کی کیفیت یکساں نہیں ہوتی بلکہ اس میں فرق بھی ہوتا ہے اور کیفیتِ آب و ہوا کا یہ فرق انسان کی صحت و مرض سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ کسی مقام کی آب و ہوا کی کیفیت معلوم کرنے کے طریقہ سے بھی وہ باخبر تھا اس سلسلے میں تزک میں ایک جگہ لکھتا ہے:

---

[1] تزک جہانگیری ص ۲۳۱

"بے تکلف آب و ہوائے محمود آباد را ہیچ نسبتی با احمد آباد نیست بجہت امتحان
فرمودم کہ گوسپندی را پوست کندہ درکنار تال کاکریہ بیاویزند و ہمچنیں
گوسپندی را در محمود آباد تا تفاوت ہوا ظاہر گردد۔ اتفاقاً بعد گذشتن ہفت
گھڑی روز در آنجا گوسپندی را آویختند چوں سہ گھڑی از روز ماند بمرتبہ
متعفن و متغیر گشت کہ عبور از حوالی آں دشوار بود، در محمود آباد وقت صبح
گوسفند را آویختند تا وقتِ شام اصلاً متغیر نہ شدہ بعد از گذشتن یک و نیم
پہر از شب تعفن گشت، در محمود آباد بعد از چہاردہ ساعت" لہ

جہانگیر بہت سے امراض کی ماہیت سے بخوبی آگاہ تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ بعض امراض لا علاج ہیں۔ شاہ جہاں کا لڑکا شجاع جسے وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہو گیا جسے اصطلاح طب میں ام الصبیان کہتے ہیں۔ حاذق اطباء کے علاج کے باوجود اسے شفا حاصل نہ ہوئی، عاجز و لاچار ہو کر جہانگیر نے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ کریم کارساز و رحیم بندہ نواز یعنی اللہ رب العزت کی درگاہ میں اپنا سر جھکا دیا اور اس کی صحت یابی کی دعاء کے ساتھ ترک شکار کا عہد کیا۔ اس اظہارِ عجز و وثوق پیماں کے ساتھ ہی شجاع کی تکالیف میں آہستہ آہستہ کمی شروع ہو گئی یہانتک کہ وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ یہ واقعہ تزک جہانگیری میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

"شاہزادہ شجاع جگر گوشۂ فرزند شاہجہاں کہ در دامن عصمت نور جہاں بیگم
پرورش می یابد و مرا نسبت باو تعلق خاطر و دلبستگی بمرتبۂ ایست کہ از جان
خود عزیز می دارم۔ بیماری کہ مخصوص اطفال است و آں را اُمّ الصبیان
می گویند، بہم رسانید و زمانی ممتد از ہوش رفت، ہر چند اہل تجربہ بیرات و
معالجات بکار بردند سود نداد و بیہوشی اُو ہوش از من ربود۔ چوں از تداوی

لہ تزک جہانگیری ص ۲۴۶

ظاہر نا امیدی دست داد از روی خضوع و خشوع فرق نیاز بدرگاہ کریم کارساز و رحیم بندہ نواز سودہ صحت اورا مسالت نمودم۔ دریں حالت بخاطر گذشت کہ چوں با خدائی خود عہد کردہ بودم کہ بعد از تمام سن خمسین از عمر ایں نیازمند ترک شکار و بندوق نمودہ ہیچ جاندارے را بدست خود آزردہ نسازم۔ اگر بہ نیت سلامتی او از تاریخ حال دست ازاں کار باز دارم ممکن کہ حیات او وسیلۂ نجات چندیں جاندار شود، حق سبحانہٗ تعالیٰ اورا بایں نیازمند ارزانی دارد، القصہ بعزم درست و اعتقاد صادق با خدا عہد کردم کہ بعد ازیں ہیچ جاندارے را بدست نیازارم، بکرم الٰہی کوفت او تخفیف تمام یافت۔" لہ

عہد جہانگیری میں طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی تھی اور لوگ کثرت سے لقمۂ اجل بن رہے تھے۔ جہانگیر نے اس سلسلے میں ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علاج و معالجہ کے فن سے بھی واقف تھا، لکھتا ہے:

"روزے در صحن خانہ موشی بنظر در آمد سراسیمہ، افتاں و خیزاں بطرز مستاں ہر سوی رفت و نمی دانست کہ کجا میرود، بہ یکے از کنیزاں گفتم کہ دم آں را گرفتہ پیش گربہ انداخت۔ گربہ بشوق دمیں از جائے جستہ موش را بدندان گرفت و فی الفور انداخت نفرت ظاہر ساخت، رفتہ رفتہ آثار ملال و آزردگی از چہرۂ او پیدا شد۔ روز دیگر نزدیک مردن رسید، بخاطر گذشت کہ اندک تریاق فاروقی باید داد چوں دہانش کشودہ شد کام و زبان سیاہ بنظر در آمد تا سہ روز بحال تباہ گذرانیدہ در چہارم بہوش آمد" ٢ہ

لہ توزک جہانگیری صفحہ ۲۴۸-۲۴۹۔
٢ہ ایضاً صفحہ ۲۵۹-۲۶۰

جہانگیر کا یہ خیال تھا کہ جانوروں کے دودھ کی عذوبت و شیرینی یا ملاحت غذا کے استعمال پر منحصر ہے۔ اونٹنی کا دودھ نمکین ہوتا ہے لیکن بعض غذاؤں کے استعمال سے اس کو شیریں بنایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے:

"پسر حکیم تعریف شیر شتری کرد، بخاطر رسید کہ اگر روزی چند بداں مداومت نمایم ممکن کہ نفعی داشتہ باشد و بمزاج من گوارا باشد آصف خاں مادہ ولایتی شیردار داشت قدرے ازاں شیر تناول کردم بخلاف شیر دیگر شتراں کہ خالی از شوری نیست، بمذاق من شیریں و لذیذ آمد و الحال قریب یکماہ است کہ ہر روز پیالہ کہ مقدار نیم کاسہ آبخوری باشد، ازاں شیر می خورم و نفعی ظاہر شدہ رافع تشنگی است۔ غرائب آنکہ دو سال پیش ازیں آصف خاں ایں مادہ را خریدہ بود و دراں وقت بچہ نداشت و اصلاً اثر شیر ظاہر نبود دریں ایام بحسب اتفاق از پستان او شیر بر آمد ہر روز چہار سیر شیر گاؤ و پنج سیر گندم و یک سیر قند سیاہ و یک سیر بادیان بخورد او می دہند کہ شیرش لذیذ و شیریں و مفید باشد بے تکلف بمذاق من خیلی در افتاد و گوارا آمدہ و بجہت امتحان شیر گاؤ و شیر گاومیش را طلبیدہ ہر سہ را چشیدم در شیرینی و عذوبت شیر ایں شتر را نسبتی نیست۔"[1]

جہانگیر کے بعد شاہجہاں کا دور آتا ہے، گو شاہجہاں نے بابر اور جہانگیر کی طرح کوئی علمی یادگار نہیں چھوڑی لیکن پھر بھی اس میں شک نہیں کہ وہ ایک صاحب علم و فضل بادشاہ تھا اور دیگر مغل سلاطین کی طرح اصحاب علم کی قدر دانی اور ان کو شاہی الطاف و عنایات سے نوازنے میں بڑا ہی سیر چشم اور کشادہ دست واقع ہوا تھا[2] بادشاہ کے علم و فضل کے

[1] تزک جہانگیری ص ۲۲۹۔

[2] عمل صالح، محمد صالح کنبوہ، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۹۲۷ء ج ۲ ص ۳۱۸۔

بارے میں عمل صالح کے مؤلف نے متعدد واقعات نقل کیے ہیں مثلاً ایک علمی مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ماہ آذر کی چوتھی تاریخ کو بادشاہ کی محفل میں ہر ملک کے ارباب علم ودانش جمع تھے اور ہر ایک اپنے مبلغ علم کے مطابق ہر فن کے مسائل کے متعلق گفتگو کرتا تھا، بادشاہ جو نہایت حکیم اور دانا تھا اور تحقیق وتفتیش سے گہری دلچسپی رکھتا تھا، ہر مسئلے میں دخل دیتا تھا اور ہر طرح کی گفتگو کرتا تھا"[۵]

شاہجہاں کو دیگر علوم کی طرح علم طب سے بھی دلچسپی تھی اور اس کی ترقی کے لیے کوشاں رہتا تھا چنانچہ اس نے دلی کی جامع مسجد کے پاس ایک نہایت عمدہ شفاخانہ بنوایا تھا اور اس میں قابل اور تجربہ کار اطباء کو علاج ومعالجہ کے لیے مقرر کیا تھا[۱]

شاہجہاں کے بعد اورنگ زیب عالمگیر کا دور آتا ہے۔ عالمگیر کو علم وعلماء سے جس قدر انس وشیفتگی تھی اس سے ہر تاریخ داں بخوبی واقف ہوگا۔ وہ فارسی زبان کا ایک اچھا انشاء پرداز تھا، مؤلف مآثر عالمگیری لکھتا ہے:

"فن خوشنویسی کے علاوہ جہاں پناہ کو فن انشاء میں بھی خاص مہارت حاصل تھی اور نثر نگاری وانشاء پردازی میں ید طولیٰ رکھتے تھے، جہاں پناہ نثر نہایت خوب تحریر کرتے تھے"[۳]

عالمگیر کو نثر نگاری میں جو قدرت وکمال حاصل تھا اس کا واضح اظہار رقعات عالمگیری سے ہوتا ہے جو سلیس وسادہ انشاء پردازی کا ایک دل آویز نمونہ ہے، مولانا شبلی لکھتے ہیں:

"عالمگیر تیغ وقلم دونوں کا مالک تھا، اس کی انشاء پردازی کی داد مخالف

---

[۱] محمد صالح کنبوہ، عمل صالح، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۹۲۳ء ج ۱ ص ۱۳

[۲] سرسید احمد خاں، آثار الصنادید، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی ۱۹۶۶ء ص ۸۳

[۳] محمد ساقی مستعد خاں، مآثر عالمگیری، حیدرآباد دکن ۱۹۳۲ء ص ۳۸۹

نکم نے دی ہے، اس کے رقعے باوجود اس کے کہ واقعات کا ذخیرہ، قصص طلب حوالوں کا مجموعہ اور جغرافیانہ اطلاعوں کی یادداشت ہیں تاہم ادائے مطلب کی قدرت، عبارت کی سادگی، فقروں کی ہمواری، مطالب کا اختصار، پہلو بہ پہلو عمدہ جملے، دلنشیں ترکیبیں نہایت حیرت انگیز ہیں۔[1]

یہ خیال ہے کہ عالمگیر شعر و سخن سے بیزار بلکہ اس کا دشمن تھا اور اسی لیے اس نے اپنے عہد میں ملک الشعراء کا منصب ختم کر دیا تھا۔ یہ بات حقیقت واقعہ کے بالکل برخلاف ہے عالمگیر شعر و سخن سے برابر دلچسپی لیتا تھا اور اپنے خطوط کو بالعموم اشعار سے مزین کیا کرتا تھا لیکن چونکہ اس کے مذاق سخن پر اس کا فطری مذہبی رنگ و آہنگ غالب تھا اس لیے وہ طبقہ ان اشعار کو سخت ناپسند کرتا تھا جن میں خوشامدانہ مدح سرائی اور کذب گوئی ہوتی تھی صاحب مآثر عالمگیری لکھتا ہے:

"اما بودائے مستشہد صادق کریم الشعراء یتبعہم الغاوٗن، متمسک گشتہ، توجہ باستماع شعر بے فائدہ نداشتند تا بشنیدن اشعار مدح چہ رسد، الا شعرے کہ متضمن موعظت باشد"[2]

عالمگیر کی دلچسپی کا اصل میدان مذہبی علوم تھے، "فتاوی عالمگیری" جو ایک معروف فقہی کتاب ہے اور عالمگیر کے زیر نگرانی مرتب ہوئی، اس کے مذہبی ذوق و شوق کی داستان ہے۔[3]

اورنگ زیب کو علم طب سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ بالخصوص طب النبی سے چنانچہ اس عہد کے ایک ممتاز طبیب، حکیم محمد اکبر شاہ ارزانی بادشاہ کی خواہش پر اس کے مطالعہ کے

---

[1] سید صباح الدین عبد الرحمٰن، بزم تیموریہ، شبلی منزل اعظم گڑھ ۱۹۴۸ء ص ۲۵۶

[2] محمد ساقی مستعد خاں، مآثر عالمگیری، انجمن آسیائی کلکتہ ۱۸۷۱ء ص ۵۳۲-۳

[3] تفصیل کے لیے دیکھیں عالمگیر نامہ ص ۱۰۸۶

یہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب "المنہج السوی[1] والمنہل الروی فی الطب النبوی" کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا تھا[2]

اورنگ زیب کے بعد جو مغل سلاطین خون آشام جنگوں کے بعد تخت حکومت پر بیٹھے ان میں صرف محمد شاہ (متوفی ۱۷۴۸ء) ایک ایسا بادشاہ تھا جو اگرچہ عیش و طرب کا دلدادہ اور بادۂ ساغر کا شیدا تھا لیکن اسی کے ساتھ علم دوست اور اصحاب علم وفن کا قدرداں بھی تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کے دربار میں حیرت انگیز طور پر ارباب علم و کمال کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی۔ محمد شاہ کے عہد حکومت میں علم ہیئت نے بہت زیادہ ترقی کی، خود بادشاہ کو علم ہیئت سے خصوصی دلچسپی تھی، "زیچ[3] محمد شاہی" علم ہیئت سے اس کے غیر معمولی شغف کی آئینہ دار ہے۔ وہ اطباء کا بھی بے حد قدرداں تھا۔ حکیم علوی خاں جو اس عہد میں موجود تھے، بادشاہ کے معالج خصوصی تھے۔ محمد شاہ نے حکیم کے غیر معمولی علم وفضل سے متاثر ہو کر انھیں چاندی میں تولا، چھ ہزاری منصب اور معتمد الملک کا خطاب عطا کیا[4]

---

[1] یہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے اس کا ایک نسخہ میڈیکل لائبریری (ہمدرد نگر دہلی) اور دوسرا نسخہ عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک میں موجود ہے۔

[2] ڈاکٹر سائرل الگوڈ، اے میڈیکل ہسٹری آف پرشیا، کیمبرج ۱۹۵۱ء ص ۲۳

[3] زیچ محمد شاہی کو محمد شاہ کے ایک درباری ہندو امیر راجہ جے سنگھ نے مرتب کرایا تھا اس نے دہلی کے رصد خانے کے نمونے پر جے پور، متھرا، بنارس اور اجین میں بھی رصد خانے بنوائے تھے۔

[4] مولانا عبدالحی، نزہۃ الخواطر، حیدرآباد دکن ۱۹۵۷ء ج ۶ ص ۳۶۳